چند ضروری وضاحتیں

کیا تقلید شرک ہے؟

اطاعت کے ضمن میں یہ بات بیان ہوچکی ہے کہ قرآن مجید نے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ: ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾ (التوبۃ: ۳۱) اور اس ضمن میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے اس کی جو تشریح فرمائی تھی وہ بھی بیان کی جاچکی ہے۔ اب اسی کو سامنے رکھ کر ہمارے ہاں جو تقلید کا ایک تصور ہے اس کو سمجھ لیجیے!

دیکھئے تقلید کا ایک تصور ہے ''عوام'' کے نزدیک اور ایک تصور ہے ''اہلِ علم'' کے نزدیک۔ اِن دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ عوام کے ذہنوں میں تقلید کا جو تصور ہے وہ بالعموم شرک ہے۔ اگر کسی کے ذہن میں یہ بات ہے کہ جو بات امام ابوحنیفہؒ کہہ دیں وہ ہم لازماً مانیں گے' بغیر کوئی دلیل طلب کیے کہ وہ کس بنیاد پر یہ بات کہہ رہے ہیں اور کتاب و سنت کی کون سی دلیل اُن کے پاس ہے' تو یہ شرک ہے۔ اسی طرح اگر کوئی بات مجرد اس لیے مان لی جائے کہ یہ امام احمد بن حنبل یا امام شافعی یا امام مالک رحمہم اللہ کی زبانِ مبارک سے نکلی ہوئی بات ہے تو یہ بلاشک و شبہ شرک ہے۔ البتہ ہمارے ہاں اہل علم کے نزدیک تقلید کا تصور یہ ہے کہ جن عظیم اور باہمت لوگوں نے کتاب و سنت کا فہم حاصل کرنے کے لیے اپنی پوری پوری زندگیاں کھپائی ہیں اُن کے فہم پر اعتماد کرتے ہوئے' اور انہوں نے کتاب و سنت سے استنباط کر کے جو دلائل پیش کیے ہیں ان کو مدّنظر رکھ کر اُن کی رائے پر عمل کیا جائے۔ اس ضمن میں امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول موجود ہے کہ ''اگر تمہیں میرے کسی قول کے خلاف صحیح حدیث نبویؐ مل جائے تو میری بات کو دیوار پر دے مارو''۔ اس لیے کہ کسی بات میں وزن محض اس وجہ سے ہرگز نہیں ہے کہ یہ فلاں شخص کی بات ہے' بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اُس نے کتاب و سنت سے اپنی بات کو مدلل کیا ہے اور کتاب و سنت کے منشاء کو سمجھ کر اس سے استنباط کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں امام اعظم ابوحنیفہؒ کے اوّلین شاگردوں قاضی ابویوسفؒ اور امام محمدؒ نے اپنے استاد امام ابوحنیفہؒ سے اختلاف کیا ہے اور آج دنیا میں جو فقہ حنفی موجود ہے وہ اکثر و بیشتر امام ابوحنیفہؒ کی رائے پر نہیں ہے بلکہ صاحبین یعنی قاضی ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کی رائے پر ہے۔ مثال کے طور پر دیکھئے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ''مزارعت'' مطلقاً حرام ہے' لیکن فقہ حنفی میں اس پر جو فتویٰ ہے وہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے پر نہیں ہے بلکہ صاحبین کی رائے پر ہے۔ تو اُن کے شاگردوں نے اُن سے اختلاف کیا ہے۔ ہمارے ہاں جب تک تقلید کے معاملے میں یہی طرزِ عمل رہا تو ایک صحت مند فضا رہی۔ اس کے بعد ایک دَور آیا کہ علماء نے اس خطرے کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ اب علم کی کمی ہوگئی ہے' حرص و ہوا کا زور ہوگیا ہے جس کی وجہ سے اجتہاد میں خطرات زیادہ ہیں' یہ کہا کہ اب نئے اجتہاد کی بجائے علماءِ سلف کے اجتہاد پر ہی عمل کیا جائے۔ تو یہ ایک احتیاط ہے جو اِس دَور میں علماء نے اختیار کی ہے۔ لیکن اس میں بھی اہل علم کے نزدیک کوئی شخص اپنی ذات میں مُطاع ہرگز نہیں ہے' بلکہ کتاب و سنت کی بنیاد پر ہی اس کی بات مانی جائے گی۔ چنانچہ یہ تقلید شرک نہیں ہے۔ البتہ اگر کسی شخص کو اپنی ذات میں مُطاع مان لیا جائے تو اس قسم کی تقلید شرک ہے اور یہ اُسی قسم کا شرک ہے جیسا کہ قرآن مجید نے اہل کتاب کے بارے میں کہا کہ:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾ (التوبۃ: ۳۱)

''انہوں نے (یعنی یہود و نصاریٰ نے) اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور صوفیوں کو ربّ بنالیا''۔

اس لیے کہ دو ہی طبقے مذہبی ہوتے ہیں' علماء اور صوفیاء۔ ہمارے ہاں بھی تصوف کے میدان میں یہ گمراہ کن تصور موجود ہے کہ مرشد کو اپنی ذات میں مُطاع مان لیا گیا ہے۔ اس میدان میں شاعری کے ذریعے بہت فتور اور گمراہی پھیلی ہے اور اس طرح کی باتیں زبان زدِ عوام و خواص ہوگئی ہیں کہ ع ''بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید!'' یعنی ''اگر تمہارا مرشد تم سے کہے کہ تم اپنی جانماز کو شراب سے رنگین کر دو تو کر دیا کرو''۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ تصور خالص شرک ہے۔ کوئی چاہے مرشد ہو' عالم ہو' حاکم ہو' مجتہد ہو' کسی کی بات بھی اگر مانی جائے گی تو کتاب و سنت کے دائرے کے اندر اندر مانی جائے گی اور قرآن و حدیث کی دلیل سے مانی جائے گی۔ اگر طرزِ عمل یہی ہے تو یہ توحید ہے۔ اور اگر اس کو کہیں سے بھی اور کسی پہلو سے بھی مجروح کر دیا جائے تو یہ شرک ہے۔

محبت اور پرستش میں فرق

اب آیئے ''محبت'' کے معاملے میں جو عملی پہلو ہیں اُن پر غور کر لیا جائے۔ جان لیجیے کہ ''محبت'' اور چیز ہے اور ''پرستش'' اور چیز ہے۔ ایسے ہی وطن کی محبت اور چیز ہے اور وطن پرستی اور چیز ہے۔ وطن سے محبت اپنی جگہ ایک مطلوب اور قابلِ قدر جذبہ ہے۔ جسے وطن سے محبت نہ ہو وہ شخص بڑا بے غیرت ہے۔ جسے والدین سے محبت نہ ہو تو وہ شخص بڑا بے حمیت ہے۔ اپنے قبیلے اور قوم سے محبت نہ ہو تو ایسا شخص بے غیرت اور بے حمیت ہے۔ اب اگر یہ تمام محبتیں اللہ کی محبت کے تابع رہیں اور اللہ کی محبت ان سب کے اوپر ہو تو یہ ''توحید فی المحبت'' ہے۔ اس کے برعکس اگر ایک محبت بھی اللہ کی محبت سے بالاتر ہو جائے یا برابر بھی ہو جائے تو وہ ''شرک فی المحبت'' ہے۔

اسی طرح سے ایک اور پرستش ہے ''شخصیت پرستی''۔ یہ بھی کوئی کم درجے کا شرک نہیں ہے۔ اگر کسی شخص کی محبت اور عقیدت آپ کو اندھا اور بہرا کر دے اور اس کی ہر بات آپ کے لیے سند ہو' اس کی رضا جوئی ہی آپ کے پیشِ نظر رہے تو یہ شخصیت پرستی ہے اور یہ یقیناً شرک ہے۔ یہی بات نبی اکرم ﷺ نے فرمائی ہے کہ: ((حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ)) ''تیرا کسی شے سے محبت کرنا تجھے اندھا اور بہرا بنا دیتا ہے''۔ یہی محبت آج شخصیت پرستی کی شکل میں دنیا میں رائج ہے۔ اور قابل غور بات ہے کہ اس کو باقاعدہ ایک سیاسی تصور (political concept) کی حیثیت سے دنیا میں develop کیا گیا ہے۔ گاندھی جی کے اسّی اسّی گز اونچے مجسمے کوئی مشغلے (hobby) کے طور پر نہیں تراشے گئے تھے' بلکہ اس وجہ سے تراشے گئے تھے کہ اس شخص کی عظمت لوگوں کے ذہنوں میں نقش ہو جائے اور اُس سے محبت اور عقیدت رکھنے والے سب ایک دوسرے سے جڑے رہیں۔ جس طرح کہ وطن کی محبت اہل وطن کو مستحکم کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنے والی شے (unifying force) ہے۔ یہ شخصیت پرستی دنیا میں پہلے بھی ہوتی رہی ہے اور اب بھی ہوتی ہے۔ اس کو hero worship کا خوبصورت نام دیا گیا ہے۔ ہمارے ہاں مسلم لیگ کے زعماء میں سے ایک صاحب کا حال یہ تھا کہ وہ کبھی نماز کے قریب تو پھٹکے نہیں تھے' لیکن اُن کا اپنا کہنا یہ تھا کہ ''میں تو صبح ہی صبح قائد اعظم کی تصویر کو سلام کرتا ہوں اور بس یہی میری نماز ہے''۔ اب یہ شخصیت پرستی (hero worship) نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر کوئی غیر یہ بات کرے تو ہم کہتے ہیں وہ بُت پرست ہے اور ہم یہ بات کر کے بھی سمجھتے ہیں کہ ہم تو موحّدِ کامل ہیں اور اس سے ہماری توحید میں کوئی رخنہ پیدا نہیں ہوا۔ ایسے ہی سٹالن کے مجسمے نصب کیے گئے اور اس کی تصویریں بچوں کے ذہنوں کے اندر اتاری گئیں' تاکہ اس کی محبت اور عقیدت ذہنوں پر چھا جائے۔ اسی طرح ماؤزے تنگ کے بُت تراشے گئے۔ تو یہ سب انسان پرستی اور شخصیت پرستی ہے۔ اور یہ ختم نہیں ہوئی' آج بھی اس کا وجود باقی ہے۔

آج کے زمانے میں ایک اور محبت ''نظریے کی محبت'' ہے۔ اگر کسی تصور یا نظریے کی محبت' چاہے وہ اشتراکیت کا نظریہ ہو یا کوئی اور انقلابی نظریہ ہو' انسان کے ذہن پر اس طرح غالب اور مستولی ہو جائے کہ اُس کا جینا اور مرنا اللہ تعالیٰ کے بجائے اُس نظریے کے لیے ہو جائے تو 'معاذ اللہ' یہ اُس نظریے کی پرستش ہے۔ گویا ایک نظریے اور ایک نظام کو پوجا جا رہا ہے۔ کسی نے بڑا پیارا شعر کہا ہے: ؎

اِک تصور کے حسنِ مبہم پر ساری ہستی لٹائی جاتی ہے
زندگی ترکِ آرزو کے بعد کیسے سانسوں میں ڈھالی جاتی ہے!

انسان کے اندر جب تک کوئی آرزو نہ ہو' کوئی آدرش نہ ہو' کوئی نصب العین نہ ہو تو جینے کا مزا ہی کیا ہے! پھر تو وہ انسان نہیں بلکہ حیوان ہے' اُس کی زندگی محض سانسوں میں ڈھالی ہوئی زندگی ہے' وہ محض human vegetable ہے۔ لیکن نصب العین صرف ایک ہی صحیح ہے' اور وہ ''اللہ کی محبت'' کا نصب العین ہے۔ جب کوئی اور نصب العین اس جگہ پر آ کر منطبق ہو گیا تو یہی تو شرک ہے۔ جیسے ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ﴾ (البقرۃ:۱۶۵)

''اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے سوا کچھ ہستیوں کو (اُس کے) مدّ مقابل بنا لیتے ہیں' وہ اُن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے محبت ہونی چاہیے۔ اور جو لوگ واقعتاً ایمان والے ہیں وہ سب سے زیادہ سخت ہیں اللہ کی محبت میں''۔

مَیں یہ بات عرض کر چکا ہوں کہ ''وطنیت کا نظریہ'' اس دَور کے بہت بڑے شرک کی حیثیت سے اُبھر کر سامنے آیا ہے' لیکن ہمارا کوئی بھی عالمِ دین اس کو نہیں سمجھ سکا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارے علماء نے بدقسمتی سے مغرب کے فلسفے کا مطالعہ نہیں کیا۔ یہ اپنے تصورات کے پیشِ نظر یہ سمجھتے رہے کہ وطنیت (nationalism) شاید حبّ الوطنی ہے! لیکن اس دَور میں علامہ اقبال نے اس کو خوب سمجھا ہے۔ ان کا بڑا پیارا شعر ہے: ؎

مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں اِس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیل!

یعنی میں جدید تہذیب و تمدن اور جدید عمرانی نظریات کی آگ میں ڈالا گیا ہوں' جیسے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ مغرب کے اِن نظریات اور فلسفے کے پس پردہ کیا کچھ ہے جو اِس اجتماعی زندگی کی بنیاد بنے ہیں' اور مسلمان اُمت کو اس سے آگاہ کرنا اور ان کا ردّ کرنا میرا امتحان ہے۔ علامہ اقبال کو اس چیز کا براہِ راست مشاہدہ تھا' جبکہ ہمارے علماء اس کو نہیں سمجھ سکے۔ یہ کتاب و سنت کے علم سے خوب واقف ہیں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ علم دین کے اعتبار سے ہمارے علماء کی شخصیتیں منگلا ڈیم اور تربیلا ڈیم جیسی ہیں' لیکن جب تک یہ علم اِس دَور کی زمین تک نہ پہنچے تو وہ ڈیم میں کھڑے اُس پانی کی مانند ہے جو تب ہی فائدہ مند ہوتا ہے جب وہ زمین تک پہنچے۔ اس اہم کام کے لیے تقسیم کے ذرائع (distribution channels) درکار ہیں جو اِس علم کو آگے پہنچائیں۔ لیکن بدقسمتی سے وہ چینلز آج نہیں رہے۔ رابطے کا ایک خلاء (gap of communication) بیچ میں حائل ہے کہ بات

آ گے پہنچ نہیں پا رہی۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اِس دَور کے نظریات کو سمجھا جائے۔ اس لیے کہ اِس دَور کا شرک تب ہی سمجھ میں آئے گا جب گہرائی میں اُتر کر اس دَور کے نظریات کو سمجھا جائے۔ یہ بات اگرچہ چھوٹی اور غیر اہم محسوس ہوتی ہے لیکن بعض بظاہر چھوٹی باتیں تِل کے اوٹ میں پہاڑ کی مانند ہوتی ہیں۔

ایک صاحب نے جھنڈے کی عظمت اور اس کے وقار کو بچانے کی بات کی ہے۔ یہ بات اپنی حد تک درست بلکہ ضروری ہے' لیکن جھنڈے کو دیکھ کر کھڑے ہو جانا' اسے سلامی دینا' یہ ثابت کیجیے محمدٌ رسول اللہ ﷺ سے! یہ توقنوت لـلعَلَم ہے کہ آپ جھنڈے کے آگے ہاتھ باندھ کر باادب کھڑے ہو جائیں۔ یہ میرے نزدیک شرک ہے' ورنہ جھنڈے کی عظمت اور وقار کو بچانا اپنی جگہ مسلّم ہے۔ جیسے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے غزوۂ اُحد میں اپنی جان کی قربانی دے دی لیکن جھنڈے کو نہیں گرنے دیا۔ ایسے ہی حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہما نے کیا۔ لیکن جھنڈے کو سلامی دینا اور اس کے لیے خشوع و خضوع کے ساتھ کھڑے ہو جانا قطعاً جائز نہیں ہے۔ حضرت محمدٌ رسول اللہ ﷺ نے تو اپنے لیے کھڑا ہونے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منع فرما دیا تھا۔ حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے تشریف لانے پر آپؐ کے لیے احتراماً کھڑے ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا:

((لَا تَقُوْمُوْا كَمَا تَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ يُعَظِّمُ بَعْضُهَا بَعْضًا))

''تم لوگ (میرے تشریف لانے پر) کھڑے نہ ہو جایا کرو جیسے کہ عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔''

تو ''حبّ الوطنی'' اور چیز ہے اور ''وطن پرستی'' اور چیز ہے۔ اِن دونوں چیزوں میں جب تک فرق نہیں کریں گے اور ان کو علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے مقام پر نہیں رکھیں گے تو ذہنوں میں لازماً اشکال پیدا ہو جائیں گے۔

''مراسمِ عبودیت'' صرف اللہ کے لیے ہیں

عبادت کا تیسرا جزو ہے ''مراسمِ عبودیت''۔ رکوع کرنا' سجدہ کرنا' کسی کے لیے مؤدب ہو کر کھڑے ہونا' نذر پیش کرنا اور نذر ماننا یہ سب مراسمِ عبودیت ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے روا ہیں۔ اگر کوئی غیر اللہ کے لیے یہ مراسمِ عبودیت انجام دیتا ہے تو یقیناً غلطی پر ہے اور اس کا یہ عمل شرک ہے' چاہے اُس کی نیت شرک کی نہ ہو۔ اس لیے کہ اُس کے اِس عمل سے نہ معلوم کتنے لوگ گمراہ ہو جائیں۔ محمدٌ رسول اللہ ﷺ پر جب دین کی تکمیل ہوئی تو سجدۂ تعظیمی بھی حرام قرار دے دیا گیا' حالانکہ اس سے پہلے سجدۂ تعظیمی جائز تھا۔ کسی کے ادب اور تعظیم کے لیے اُس سے جھک کر ملنا انسان کی فطرت اور جبلت میں ہے۔ کوئی کسی بزرگ سے جب ملتا ہے تو ذرا جھک جاتا ہے۔ پچھلے زمانے میں یہ جھکنا رکوع کی حد تک اور اُس سے بھی آگے بڑھ کر سجدے کی حد تک چلا جاتا تھا' اور کسی کے سامنے تعظیماً رکوع اور سجدہ کرنا' بغیر اس عقیدے اور تصور کے کہ اُس میں کوئی الوہیت یا خدائی اختیارات ہیں' ممنوع اور حرام نہیں تھا۔ لیکن جب محمدٌ رسول اللہ ﷺ پر ہدایتِ ربّانی کی تکمیل ہوئی تو وہ تمام دروازے بند کر دیے گئے جہاں سے یہ گمراہی اور بیماری نقب لگا کر اِس اُمت میں دَر آ سکتی تھی۔ لہٰذا اس سجدۂ تعظیمی کو مستقلاً حرام قرار دے دیا گیا کہ اب کسی نیت سے بھی غیر اللہ کو سجدہ نہیں ہو گا' یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔

اس معاملے میں حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت عظمت کا ایک روشن مینار ہے۔ آپؒ حالانکہ صوفیاء کے طبقے سے تعلق رکھنے والے ہیں' تصوف کے میدان کے مجدّد ہیں' آپؒ کا اصل تجدیدی کارنامہ تصوف کے میدان ہی میں ہے' لیکن یہ شخص سجدۂ تعظیمی کے باب میں حکومتِ وقت سے ٹکرا گیا۔ بقول اقبال: ؎

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

واقعہ یوں ہے کہ سجدۂ تعظیمی مغل دربار کے اندر رائج تھا۔ مجدد الف ثانیؒ نے فتویٰ دیا کہ یہ ناجائز ہے اور شرک ہے۔ اب علماءِ سوء یعنی سرکاری درباری علماء جو حاسدین تھے بہت خوش ہوئے کہ اب یہ صحیح گرفت میں آیا ہے' اس کی بادشاہ کے سامنے پیشی کرائی جائے۔ یہ سجدہ نہیں کرے گا تو بادشاہ کو خود بخود پتا چل جائے گا کہ اس کے دل میں باغیانہ خیالات ہیں۔ چنانچہ بادشاہ کو حضرت مجدّدؒ کے خلاف بھڑکایا گیا اور اُن کی بادشاہ کے سامنے پیشی طے ہو گئی۔ اب اہتمام یہ کیا گیا کہ بادشاہ کے سامنے پیش ہونے کے لیے انہوں نے جہاں سے آنا تھا وہاں ایک دیوار بنا کر اس میں ایک چھوٹی کھڑکی رکھی گئی کہ بادشاہ کے سامنے پیش ہونے کے لیے اس میں سے گزریں گے تب تو سر کو جھکائیں گے۔ لیکن حضرت مجدّد الفِ ثانیؒ نے اس میں سے نکلتے ہوئے ٹانگیں پہلے نکالیں اور سر بعد میں نکالا کہ یہ شائبہ بھی پیدا نہ ہو کہ اُن کی گردن جہانگیر کے آگے جھکی تھی۔ اس لیے کہ یہ گردن صرف اللہ کے سامنے جھکنے کے لائق ہے۔ یہ قلم تو ہو سکتی ہے لیکن اللہ کے سوا کسی کے سامنے جھک نہیں سکتی۔ لہٰذا جہاں جہاں بھی مراسمِ عبودیت اللہ کے سوا کسی اور کے لیے ادا ہو رہے ہیں' چاہے قبر کو سجدہ ہو رہا ہے یا کسی اور چیز کو' وہ شرک ہے۔

نذر لغیر اللہ شرک ہے

نذر بھی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ چنانچہ نذر اگر ماننی ہے تو صرف اللہ کے لیے مانی جائے' کسی اور کے لیے قطعاً نہیں۔ اوّل تو اسلام کا مزاج یہ ہے کہ نذر کو پسند ہی نہیں کرتا۔ یہ تو گویا بنیا پن کی ذہنیت اور گھٹیا سا انداز ہے کہ اے اللہ! اگر میرا یہ کام ہو جائے تو میں یہ کروں گا اور یہ کام ہو جائے تو میں دو نفل پڑھوں گا۔ تم نے گویا اپنے دو نفلوں کی بڑی قیمت سمجھی ہے۔ اللہ سے یہ سودے بازی نہ کرو' بلکہ جو کر سکتے ہو کرو اور اس سے جو بھی مانگنا ہے مانگو۔ اس کے ہاں مانگنے پر کوئی قدغن نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے کسی صحابیؓ نے نذر کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا:

((اَلنَّذْرُ لَا یُقَدِّمُ شَیْئًا وَلَا یُؤَخِّرُہٗ ' وَاِنَّمَا یُسْتَخْرَجُ بِہٖ مِنَ الْبَخِیْلِ))

''نذر کسی شے کو نہ آگے کرتی ہے نہ پیچھے کرتی ہے' اس سے تو بس بخیل سے کچھ نکلوا لیا جاتا ہے۔''

یعنی جو لوگ بخل سے کام لیتے ہیں اللہ تعالیٰ نذر کے ذریعے ان سے کچھ نکلوا لیتا ہے۔ لیکن بہرحال اگر نذر مانی ہو تو اس کو پورا کرنا لازم ہے۔ نیک لوگوں کی صفات میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا ﴿۷﴾﴾ (الدھر/الانسان)

''یہ لوگ (دنیا میں) نذر پوری کرتے ہیں اور اُس دن سے ڈرتے ہیں جس کی آفت ہر طرف پھیلی ہوئی ہوگی''۔

ایسا نہ ہو کہ کام ہو گیا ہے تو اب جو تھوڑا بہت مانا تھا آدمی اس کو بھی کرنے کو تیار نہ ہو۔ بہرحال نذر بھی صرف اللہ کے لیے ہے' کسی اور کے لیے نہیں ہے۔ اگر کسی اور کے لیے نذر مانی گئی تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اس کو قادرِ مطلق سمجھا گیا ہے' حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا گیا ہے۔ نذر جس کے لیے بھی ہوگی اس کے لیے یہی تصور ذہن میں ہوگا اور یہی تو شرک ہے۔

دُعا غیر اللہ کے لیے نہیں ہے

عبادت کے اجزاء میں سے چوتھی چیز دعا ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے: ((اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ)) ''دعا عبادت کا جوہر ہے''۔ اور: ((اَلدُّعَاءُ ھُوَ الْعِبَادَۃُ)) ''دعا ہی عبادت ہے''۔

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ط اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ﴿۶۰﴾﴾ (المؤمن)

''اور تمہارے ربّ نے فرمایا ہے کہ مجھے پکارو' میں تمہاری پکار (دعا) کو قبول کروں گا۔ یقیناً جو لوگ میری عبادت سے استکبار کرتے ہیں (گھمنڈ کرتے ہیں) وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل و رسوا ہو کر''۔

یہ آیت بڑی اہم ہے۔ اس کے پہلے ٹکڑے میں لفظ ''دعا'' اور دوسرے ٹکڑے میں لفظ ''عبادت'' آیا ہے۔ یعنی دعا سے اِباء کرنا دراصل عبادت سے اباء کرنا ہے۔ اگر اللہ کو پکارتے نہیں ہو تو تمہارے اندر استغناء اور تکبر ہے' تم اپنے آپ کو کچھ سمجھے ہوئے ہو۔ مقامِ بندگی یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو محتاجِ محض شمار کرے۔ اس پر قرآن مجید میں جو نقطۂ عروج ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہے:

﴿رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ﴿۲۴﴾﴾ (القصص)

''اے میرے پروردگار! میں تو فقیر ہوں ہر اُس شے کا جو تو میری جھولی میں ڈال دے''۔

ایک فقیر ہوتا ہے پھنے خواں قسم کا کہ دس روپے کا نوٹ ملے تو لے لیتا ہے اور اگر ایک دو روپے کے سکّے ملیں تو پھینک دیتا ہے۔ جبکہ ایک فقیر وہ ہوتا ہے کہ ایک پائی بھی اسے مل جائے تو وہ اس کا بھی محتاج ہے۔ لہٰذا بندگی کا تقاضا ہے کہ اللہ کے سامنے محتاجی ہی محتاجی ہو۔ اس لیے کہ عبد تو ہے ہی محتاج اور مقامِ عبدیت تو ہے ہی مقامِ احتیاج۔ جامۂ استغناء تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو زیب دیتا ہے۔ جیسے فرمایا گیا ہے:

﴿یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ ج وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۱۵﴾﴾ (فاطر)

''اے لوگو! تم سب کے سب فقیر ہو (محتاج ہو) اللہ کی جناب میں' اور اللہ تو بے نیاز' ستودہ صفات ہے''۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کی بڑی پیاری مثال بیان فرمائی ہے کہ ''بندوں کا معاملہ یہ ہے کہ اگر اُن سے تم سوال کرتے ہو تو انہیں ناگوار گزرتا ہے' جبکہ (اس کے برعکس) اللہ کا معاملہ یہ ہے کہ اس سے سوال نہیں کرتے تو اسے ناگواری ہوتی ہے''۔ اللہ کو یہ بات ناگوار گزرتی ہے کہ میرے بندے مجھ سے مانگتے نہیں۔ ؎

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں

راہ دکھلائیں کسے راہ رو منزل ہی نہیں!

مذکورہ بالا آیت ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ط﴾ فعل امر پر مشتمل ہے کہ ''تمہارے ربّ نے کہا ہے کہ مجھے پکارو (مجھ سے دعا کرو) میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا''۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝﴾ (المؤمن) ''یقیناً جو لوگ میری عبادت سے استکبار کرتے ہیں (گھمنڈ میں مبتلا ہیں) وہ عنقریب داخل ہوں گے جہنم میں ذلیل ورسوا ہو کر''۔

اب دیکھئے دعا کرنے اور پکارنے میں توحید یہ ہے کہ ایک اللہ کو پکارنا دیگر تمام پکاروں سے مستغنی کر دے۔ اگر ایک اللہ کے پکارنے نے تمہیں مستغنی نہیں کیا اور اللہ کا پکارنا کافی نہیں ہے تو پھر اللہ کو تمہارے پکارنے کی قطعاً ضرورت نہیں' پھر انہی کو پکارو' اللہ تو بڑا غیور ہے۔ اگر اللہ کو پکارنے کے بعد بھی کسی اور کو پکارنے اور اس سے کچھ مانگنے کی کچھ بھی احتیاج اور امکان باقی ہے تو یہ ''شرک فی الدعاء'' ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ مبارک ہے:

﴿ وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝﴾ (الجنّ)

''اور یہ کہ مسجدیں (یا وہ اعضاءِ انسانی جن کے اوپر سجدہ ہوتا ہے) سب اللہ کے لیے ہیں' پس اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو''۔

دیکھئے یہاں ''مَعَ اللّٰهِ'' کا لفظ ہے کہ اللہ کے ساتھ ساتھ کسی اور کو بھی پکارا جا رہا ہے تو یہ شرک ہے۔ اور اگر کسی کو اطاعت ومحبت اور دعا کے معاملے میں اللہ سے بھی اوپر کر دیا تو یہ شرک سے بھی بڑھ کر گمراہی ہے۔ اور اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کو پکارنے کے بجائے کسی اور کو ہی پکارا جا رہا ہو تو یہ تو ﴿ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا﴾ والی بات ہے۔ اعاذنا اللّٰه من ذٰلك! لہٰذا اللہ تعالیٰ کے علاوہ یا اُس کے ساتھ کسی اور کو مت پکارا جائے۔ یہ ہے ''توحید فی الدعاء''۔ ہم نماز کی ہر رکعت میں اللہ تعالیٰ سے اسی کا وعدہ کرتے ہیں کہ: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝﴾ عبادت کا لبِ لباب اور جوہر چونکہ دعا ہے اور دعا ہی اصل عبادت ہے لہٰذا ہمیں یہ الفاظ سکھائے گئے ہیں: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ ''(اے اللہ!) ہم صرف تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور کریں گے'' ﴿وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝﴾ ''اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور مانگیں گے''۔

دُعا کے ضمن میں ایک اور باریک بحث بھی سمجھ لیجیے! استمداد' استدعا' استنصار اور استغاثہ یہ سب ایک ہی قبیل کے عربی الفاظ ہیں۔ استمداد کا مطلب ہے کسی سے مدد طلب کرنا' استدعا یہ ہے کہ کسی کے سامنے کوئی درخواست پیش کرنا' استنصار سے مراد ہے کسی سے نصرت چاہنا اور استغاثہ یہ ہے کہ کسی کی دہائی دینا۔ اس کی دو شکلیں ہیں۔ ایک شکل ہے باسبابِ ظاہری کسی سے کوئی مدد طلب کرنا۔ مثلاً میں کسی سے کہتا ہوں کہ مجھے ذرا پانی لا کر پلا دیں تو میں نے ایک طرح سے اُس سے مدد طلب کی۔ ظاہری اسباب اور قوانین طبیعی کے اندر اندر کسی سے کچھ مانگنے اور مدد طلب کرنے کے بارے میں تین باتیں جان لینا ضروری ہیں۔ پہلی بات یہ کہ اس ضمن میں محمدٌ رسول اللہ ﷺ نے یہ تلقین کی ہے کہ حتی الامکان کسی سے مدد نہ مانگو' بلکہ اپنے کام خود کرو۔ نبی اکرم ﷺ کا اپنا مزاجِ گرامی تو یہ تھا کہ اگر آپؐ اونٹنی پر سوار ہوتے اور کوڑا زمین پر گر جاتا تو کسی اور سے کہنے کے بجائے اونٹنی کو بٹھاتے اور اتر کر خود ہی کوڑا اٹھا لیتے' تاکہ اسبابِ ظاہری کے اندر بھی کوئی مشابہت پیدا نہ ہو جائے۔ لیکن بہرحال اسبابِ ظاہری کے تحت کسی سے کوئی تعاون طلب کرنا' کسی سے مدد چاہنا اگرچہ یہ بھی ایک طرح کی دعا اور پکار ہے مگر اس میں شرک کا پہلو نہیں ہے' بلکہ یہ اپنے اپنے مزاج سے متعلق ہے۔ البتہ اگر کسی شخص کے بارے میں یہ بات دل میں بیٹھ جائے کہ یہ شخص میرا کام کر سکتا ہے اور اس وجہ سے اُس کے سامنے گریہ وزاری بھی ہو رہی ہو اور تضرّع بھی ہو رہا ہو تو یہ ایک درجے میں شرکِ خفی بن جاتا ہے۔ اُس وقت دراصل آدمی حجاب اور مغالطے میں آ چکا ہوتا ہے اور ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' کی نفی کر دیتا ہے۔ اس ضمن میں صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ کسی شخص سے کچھ مانگنا ہے تو اس عقیدے اور یقین کے ساتھ مانگو کہ وہ شخص تمہارے لیے صرف وہی کچھ کر سکے گا جو اللہ چاہے گا۔ یعنی اللہ ہی اس کے دل میں بات ڈالے گا کہ وہ تمہارے لیے وہ کام کرے۔ بہرحال اسبابِ ظاہری کے ساتھ جتنا شغل اور شغف روا ہے اس سے زائد جب ہو جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان ظاہری اسباب و وسائل پر ہی تکیہ' بھروسہ اور یقین وایمان پیدا ہو گیا ہے۔

آپ اپنی بڑی بوڑھیوں کو دیکھتے ہوں گے کہ جب وہ بچے کو دوا پلا رہی ہوتی ہیں تو شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ کہہ رہی ہوتی ہیں کہ ''اللہ شافی' اللہ کافی''۔ مریض کو دوا پلانا تو رسول اللہ ﷺ کی سنت اور ہدایت ہے' لیکن توحید یہ ہے کہ توکل اور بھروسہ دوا پر نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ پر ہو کہ دوا میں تاثیر تب ہو گی اگر اللہ چاہے گا' شافی اصل میں دوا نہیں ہے بلکہ اللہ ہے۔ اللہ چاہے تو بغیر دوا کے بھی شفا دے دیتا ہے۔ وہ شافی بھی ہے اور کافی بھی ہے۔ لیکن اس کے برعکس کیفیت وہ ہوتی ہے کہ گھلے جا رہے ہیں اس صدمے سے کہ ہم اپنے بچے کے لیے فلاں ڈاکٹر کا علاج نہیں کرا پا رہے' یا علاج کے لیے امریکہ یا انگلستان نہیں بھیج پا رہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا اصل تکیہ اور توکل خدا کی ذات کے بجائے دوا پر ہو گیا ہے۔ نادانوں کو یہ

معلوم نہیں کہ امریکہ اور انگلستان میں بھی لوگ مرتے ہیں۔ سارے آپریشنز اور جدید ترین علاج کے باوجود موت کا علاج تو وہاں بھی نہیں ہے اور بہترین معالجوں کے ہاتھوں بھی غلطیاں ہوتی ہیں۔ امریکہ میں تو اس سپیشلائزیشن کے دَور میں بھی بڑے بڑے بلنڈرز اور حماقتیں ہو رہی ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ شفا اُن کے ہاتھ میں ہے۔ صحیح طرزِ عمل یہی ہے کہ جتنے کچھ اسباب و وسائل ہماری استطاعت میں ہیں اُن سے استفادہ کریں اور عقیدہ یہ رکھیں کہ شفا صرف اور صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ' معاذ اللہ' ان وسائل کا محتاج نہیں ہے' وہ جو کرنا چاہے بغیر کسی سبب کے خود کرنے پر قادر ہے۔ اور اسباب میں بھی کوئی تاثیر نہیں ہے جب تک اللہ نہ چاہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنے بچے کو نصیحت کرتے ہوئے صد فی صد درست کہا تھا کہ: لَا فَاعِلَ فِی الْحَقِیْقَةِ وَلَا مُؤَثِّرَ اِلَّا اللّٰہُ ''فاعلِ حقیقی اور مؤثرِ حقیقی اللہ کے سوا کوئی نہیں''۔ تو ظاہری اسباب میں بھی جب آدمی کسی کے سامنے گڑگڑائے' اپنے آپ کو اس کے سامنے ذلیل کرے اور اپنی عزتِ نفس کا دھیلہ کرے یہ سمجھ کر کہ بس یہی میرا کام کر سکتا ہے اور اسی کے ہاتھ میں میرا خیر یا شر ہے تو وہاں شرکِ خفی کی آمیزش پیدا ہو جاتی ہے۔ البتہ ظاہری اسباب سے بالاتر ہو کر اللہ کے سوا کسی کو ہرگز نہیں پکارا جا سکتا' نہ کسی ولی کی روح کو' نہ کسی نبی کی روح کو اور نہ کسی فرشتے کو۔ کسی غیر اللہ کے لیے استمداد' استدعا' استنصار اور استغاثہ کُل کا کُل شرک ہے۔

اس ضمن میں ایک لطیف سی بحث اور بھی ہے جس کی میں وضاحت کر دینا چاہتا ہوں۔ صوفیاء کے ہاں یہ رائے بڑی عام اور پھیلی ہوئی ہے کہ اولیاء اللہ کی روحیں انتقال کے بعد ملائکہ کے طبقۂ اسفل کے ساتھ شامل کر دی جاتی ہیں۔ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی اس عالمی حکومت کے کارندے ہیں۔ یہ اس کی سول سروس ہے کہ فلاں حکم کی تنفیذ کے لیے اسے فلاں فرشتے کے حوالے کر دیا جائے۔ واضح رہے کہ حکم اللہ تعالیٰ ہی کا ہوتا ہے۔ فرشتوں کے بارے میں قرآن حکیم میں آیا ہے:

﴿لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَاۤ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۝۶﴾ (التحریم)

''وہ (فرشتے) اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے''۔

ملائکہ کے مختلف طبقات ہیں۔ یعنی ملأ اعلیٰ' ملائکہ مقربین' ساتوں آسمانوں کے ملائکہ اور پھر ملائکۃ الارض۔ ملائکۃ الارض جو ہیں وہ طبقۂ اسفل ہے' یعنی سب سے نچلا طبقہ جو یہاں اللہ کے احکام کی تنفیذ میں لگا ہوا ہے۔ تو ایک رائے یہ ہے کہ اولیاء اللہ کی ارواح کو بھی اُن کے انتقال کے بعد ملائکہ کے طبقۂ اسفل میں شامل کر دیا جاتا ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی سول سروس میں شریک ہو جاتے ہیں۔ مجھے اگرچہ کتاب و سنت سے ایسی کوئی دلیل نہیں ملی کہ میں حتمی طور پر یہ کہہ سکوں کہ یہ رائے درست ہے' لیکن یہ خارج از امکان بھی نہیں ہے اور میرے نزدیک اِس کو مان لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے ساتھ مجھے ایک گہری محبت ہے اور میں جانتا ہوں کہ آپؒ قرآن و سنت کا بہت گہرا فہم رکھتے تھے۔ انہوں نے بھی یہ رائے ظاہر کی ہے اور احادیثِ مبارکہ سے دلائل بھی دیے ہیں۔ ایک دلیل آپؒ یہ لائے ہیں کہ جب غزوۂ موتہ میں حضرت جعفر بن ابی طالب (جعفر طیار) رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور اُن کے دونوں بازو کٹ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((رَاَیْتُ جَعْفَرًا یَطِیْرُ فِی الْجَنَّةِ مَعَ الْمَلَائِکَةِ))

''میں نے دیکھا کہ جعفرؓ ملائکہ کے ساتھ جنت میں اڑتے پھر رہے ہیں۔''

اگرچہ اس حدیث مبارکہ کی رو سے یہ معاملہ شہداء سے متعلق ہے' لیکن اگر اس دلیل کو مان بھی لیا جائے کہ ملائکہ کے طبقۂ اسفل میں اولیاء اللہ کی ارواح بھی شامل ہو جاتی ہیں اور احکامِ خداوندی کی تنفیذ میں ملائکہ کے ساتھ وہ بھی شامل ہو جاتے ہیں' پھر بھی اس سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکلتا کہ ان کو پکارا جائے۔ یہ تو خیر طبقۂ اسفل سے متعلق ہیں' ملأ اعلیٰ کو پکارنا بھی شرک ہے۔ اگر کوئی کہے کہ یَا جِبْرَاءِیْلُ اَغِثْنِیْ ''اے جبرائیل! میری مدد کو پہنچو'' تو یہ شرک ہو جائے گا۔ پکارا جائے گا صرف اللہ کو۔ وہ مدد کے لیے چاہے جبرائیل کو بھیجے' میکائیل کو بھیجے یا کسی ولی اللہ کی روح کو بھیج دے' یہ اُسی کا کام ہے۔ ہمیں اجازت نہیں ہے کسی اور کو پکارنے کی۔ ہمیں بس یہی حکم ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کو پکارو۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا ۝۱۸﴾ (الجن) ''پس اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو!'' اور: ﴿وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ ۘ﴾ (القصص: ۸۸) ''اور اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو مت پکار''۔ اگر کوئی شخص علمی اعتبار سے اولیاء اللہ کے بارے میں مذکورہ بالا رائے رکھتا ہے تو اس میں شرک کا کوئی پہلو نہیں ہے' لیکن اگر ان کو پکارا جائے گا تو یہ شرک ہو جائے گا۔ مافوق العادت یعنی قانونِ طبیعی و ظاہری سے اوپر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو پکارا جائے تو اس کے شرک ہونے میں قطعاً کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

عبادت کی قبولیت کی شرطِ لازم ـــــ اخلاص

عبادت کا پانچواں اور آخری جزو ''اخلاص'' ہے جو عبادت کی قبولیت کی شرطِ لازم ہے۔ اس کی ضد ہے ریا اور سُمعہ' یعنی لوگوں کو دکھانے اور سنانے کے لیے کوئی نیک کام کرنا کہ لوگ میری مدح وستائش کریں۔ ان کے شرک ہونے میں بھی کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے' اور ان کا شرک ہونا رسول اللہ ﷺ نے خوب واضح کیا ہے۔ ایک حدیث نبویؐ ملاحظہ ہو:

((مَنْ صَلّٰى يُرَائِىْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِىْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِىْ فَقَدْ اَشْرَكَ))

''جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی وہ شرک کر چکا' جس نے دکھاوے کے لیے روزہ رکھا وہ شرک کر چکا اور جس نے دکھاوے کے لیے صدقہ کیا وہ شرک کر چکا۔''

عربی زبان میں فعل ماضی پر جب ''قَدْ'' لگتا ہے تو فعل حال مکمل (Present Perfect Tense) کا مفہوم پیدا کرتا ہے کہ فلاں کام قطعی اور یقینی طور پر ہو چکا' اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہماری ہدایت اور رہنمائی کے لیے اسے اس قدر باریک بینی کے ساتھ واضح کیا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا اور وہ یہ دیکھتے ہوئے کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے' نماز ذرا رُک رُک کر اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا شروع کر دے' سجدہ ذرا طویل کر دے تو یہ ''شرکِ خفی'' ہے۔ میں مثال کے طور پر بیان کیا کرتا ہوں کہ اگر آپ نماز پڑھ رہے ہوں اور آپ کو کوئی دیکھ نہ رہا ہو تو آپ معمول کے مطابق تین سیکنڈ کا سجدہ کریں' لیکن جب آپ دیکھیں کہ کوئی آپ کو دیکھ رہا ہے تو اب آپ کا سجدہ پانچ سیکنڈ کا ہو جائے' تو آپ سوچیں کہ مزید دو سیکنڈ کا سجدہ کس کے حساب میں ہے؟ جان لیجیے کہ آپ کا تین سیکنڈ کا معمول کا سجدہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے ہے' جبکہ دو اضافی سیکنڈ کے سجدے کا مسجود اللہ نہیں ہے بلکہ وہ ہے جسے آپ دکھا رہے ہیں۔ گویا ایک سجدے کے دو مسجود ہو گئے اور یہی شرک ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ''شرکِ خفی'' کہا ہے' اعاذنا اللہ من ذٰلک۔ ''شرکِ خفی'' کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس کا دیکھنا اور پہچاننا اتنا ہی مشکل ہے جتنا انتہائی تاریک رات میں سیاہ پتھر پر رینگتی ہوئی ایک سیاہ چیونٹی کو دیکھنا مشکل ہے۔ اب سوچیے کہ کون بچے گا اس شرک سے؟

شرک کی معین کردہ تین اقسام سامنے آ جانے کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ یہ کتنی بڑی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے بارے میں یہ کہہ دے کہ میرا یہ بندہ مشرک نہیں ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾﴾ (البقرۃ) ''اور وہ (یعنی میرا بندہ ابراہیم) مشرکین میں سے نہیں تھا''۔ معلوم ہوا کہ جو کچھ کہا جا سکتا تھا اس ایک جملے میں کہہ دیا گیا۔ اس سے بڑی مدح وستائش اور شاباش اور کیا ہوگی اور اس سے بڑی سند' اس سے بڑا سرٹیفکیٹ اور شہادت نامہ (testimonial) اور کیا ہوگا کہ ''میرا فلاں بندہ مشرکین میں سے نہیں تھا''۔ یہی بات ہے جو بڑے پیارے انداز میں اقبال نے کہی ہے: ؎

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

اپنے سینوں کے اندر جو بُت کدے آباد ہیں اِن کی طرف انسان کی نظر نہیں جاتی' جبکہ باہر کے بُت کدے نظر آ جاتے ہیں۔ آپ نے گنیش جی کا بُت پوجتے ہوئے کسی کو دیکھا تو کہا یہ شرک ہے۔ آپ نے کسی قبر کو سجدہ کرتے ہوئے کسی کو دیکھا تو کہا یہ شرک ہے۔ آپ نے کسی کو کسی غیر اللہ کو پکارتے ہوئے سنا تو کہا یہ شرک ہے۔ یہ بات درست ہے۔ اس چیز کے شرک ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ لیکن اپنی نگاہ کو ذرا اور وسیع کیجیے اور دیکھئے کہ آپ کے عقیدے اور عمل میں کہاں کہاں شرک کی آمیزش ہے۔ خاص طور پر اس دَور کے جو شرک ہیں ان کو سمجھئے! یہ مادہ پرستی کا شرک' وطن پرستی کا شرک' شخصیت پرستی کا شرک' اپنی ہوا و ہوس کو پوجنے کا شرک اور خود پرستی کا شرک کہ خود اپنے آپ کو پوج رہے ہیں ع ''اپنے ہی حسن کا دیوانہ بنا پھرتا ہوں''' اپنی ہی ذات اور نفس کے گرد انسان طواف کیے چلا جا رہا ہے' یہ اصل میں اس دَور کے شرک ہیں جن کو سمجھنا ہوگا۔ بہرحال ہر خیر اور بھلائی خواہ وہ نظریے اور فکر کی ہو' عقیدے کی ہو' علم کی ہو' عمل کی ہو' اخلاق کی ہو' وہ توحید ہی کا کوئی گوشہ اور توحید ہی کی کوئی شاخ (corollary) ہے۔ ع ''یہ سب کیا ہیں فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں!'' اس کے برعکس ہر زیغ' کجی اور گمراہی چاہے وہ نظریے اور فکر کی ہو' عقیدے کی ہو' علم کی ہو' عمل کی ہو' اخلاق کی ہو' شرک ہی کی کوئی نہ کوئی صورت ہے۔

کیا اللہ کی ہر معصیت شرک ہے؟

اب بعض حضرات کے ذہنوں میں شدت سے یہ سوال پیدا ہو رہا ہوگا کہ شرک کی جو مذکورہ بالا تشریح سامنے آئی ہے اس کی رو سے تو اللہ کی ہر معصیت شرک ہے؟ مثال کے طور پر اللہ کا حکم تھا نماز پڑھو' مگر ہم نے اللہ کا حکم چھوڑ کر نفس کا حکم مانتے ہوئے نماز ترک کر دی تو یہ شرک ہو گیا۔ ایسے ہی مال کمانے میں ہم نے شریعت کا حکم ترک کر دیا اور اللہ کی محبت سے مال کی محبت بڑھ گئی تو یہ شرک ہو گیا۔ اس طرح سے تو ہر گناہ شرک ہے۔ جبکہ قرآن مجید دو جگہ فرماتا ہے کہ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (النساء: ۴۸ و ۱۱۶) ''یقیناً اللہ تعالیٰ اِس کو تو ہرگز معاف نہیں فرمائے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے' البتہ اس سے کم تر گناہ جس کو چاہے گا بخش دے گا''۔ تو اب وہ کمتر کا دائرہ جس میں مغفرت کی

امید ہے‘ وہ کیا ہے؟ یہ سوال بہت اہم اور اس پوری بحث سے متعلق ہے۔ یہ سوال ذہنوں میں لازماً پیدا ہونا چاہیے۔ اگر کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا نہیں ہو رہا تو گویا اُس نے ’’حقیقت و اقسامِ شرک‘‘ کی اس پوری بحث پر توجہ ہی نہیں کی۔

گناہوں کے باب میں ایک بات تو یہ جان لیجیے کہ قرآن مجید نے ایک طرف تو صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی تقسیم کی ہے اور صغائر کے بارے میں بہت امید دلائی ہے کہ وہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں ایک قاعدہ کلیہ تو یہ سامنے آتا ہے کہ ان پر گرفت شدید نہیں ہے۔ چنانچہ سورۃ النجم میں ارشادِ الٰہی ہے: ﴿اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ط﴾ (آیت ۳۲) ’’جو لوگ بڑے بڑے گناہوں اور کھلے کھلے قبیح افعال سے پرہیز کرتے ہیں اِلّا یہ کہ کچھ قصور (چھوٹے گناہ) اُن سے سرزد ہو جائیں‘‘۔ چھوٹے چھوٹے گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے‘ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی گرفت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ‘ معاذ اللہ‘ خوردہ گیر نہیں ہے کہ ہر چھوٹی چھوٹی بات کی گرفت فرمائے۔ یہی بات سورۃ الشوریٰ میں یوں فرمائی گئی: ﴿وَالَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ ......﴾ (آیت ۳۷) ’’وہ لوگ کہ جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں.....‘‘ تو معلوم ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ’’صغائر‘‘ کا معاملہ کئی اعتبارات سے کبائر سے الگ رکھا ہے۔

گناہوں کے بارے میں قرآن وحدیث سے ایک تصور یہ بھی سامنے آتا ہے کہ صغیرہ گناہ خود بخود بھی دھلتے رہتے ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ ط﴾ (ھود:۱۱۴) ’’یقیناً اچھائیاں سیّئات (چھوٹی چھوٹی برائیوں) کو ختم کر دیتی ہیں۔‘‘ جب آپ کوئی نیکی کرتے ہیں تو صغائر دھلتے رہتے ہیں‘ لیکن کبائر نہیں۔ کوئی شخص نماز کی غرض سے مسجد کی طرف چلے تو ہر قدم پر اُس کے صغیرہ گناہ معاف ہو رہے ہوتے ہیں۔ ایک حدیث نبویؐ میں آتا ہے کہ وضو کرتے ہوئے جب کوئی شخص ہاتھوں کو دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں کے صغیرہ گناہ دھل جاتے ہیں۔ اسی طرح باقی اعضاءِ وضو کے متعلق فرمایا کہ ان کو دھوتے ہوئے ان سے سرزد ہونے والے گناہ دھل جاتے ہیں۔ یہ دین کے حقائق ہیں اور ان سے قطعاً کسی درجے میں بھی اختلاف نہیں کیا جا سکتا۔

گناہ کے بارے میں قرآن مجید دوسرا فرق یہ کرتا ہے کہ ایک ہے ’’کسب‘‘ کہ جان بوجھ کر اور ارادے سے کوئی غلط کام کرنا‘ جبکہ ایک ہے ’’خطا اور نسیان‘‘ کہ ذہول ہو گیا‘ بھول گئے‘ غفلت کا پردہ پڑ گیا‘ لہٰذا کوئی غلطی صادر ہو گئی۔ اس میں ارادے اور کسب کو دخل نہیں۔ بالفاظِ دیگر غلط کام کرنے کی نیت نہیں تھی مگر خطا اور نسیان سے غلط کام ہو گیا۔ خطا کا مطلب ہے نشانے کا چوک جانا۔ یعنی نشانہ لگانا چاہ رہے تھے کہیں اور لیکن لگ گیا کہیں اور۔ تو نسیان اور خطا سے گناہ کا صادر ہو جانا اور شے ہے‘ جبکہ کسب سے گناہ کا صادر ہو جانا اور شے ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیات کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یہ عرش کے نیچے کے خزانوں میں سے دو اہم خزانے ہیں اور یہ تحفۂ شبِ معراج کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی وساطت سے اُمتِ مسلمہ کو عطا کیا ہے۔ ان میں سے دوسری آیت کا ایک ٹکڑا ہماری اس بحث سے متعلق ہے۔ الفاظ ملاحظہ ہوں: ﴿رَبَّـنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ج﴾ (آیت ۲۸۶) ’’اے ربّ ہمارے! اگر ہم سے بھول اور خطا (سے کوئی غلطی سرزد) ہو جائے تو ہماری گرفت نہ کیجیو!‘‘ لیکن اگر کسب ہو رہا ہو اور جان بوجھ کر کوئی گناہ کمایا جا رہا ہو اور اُس پر پھر ڈیرہ جما لیا جائے تو اس صورت میں یقیناً ایک بڑا گناہ بھی شرک کے درجے کو پہنچ جاتا ہے۔ ایک شخص سود کو اپنے کاروبار میں مستقلاً شامل کیے ہوئے ہے تو اس میں کسی نسیان اور خطا کا معاملہ نہیں‘ بلکہ اس نے ارادی طور پر اور علیٰ وجہ البصیرت ایک حرام چیز کو اختیار کر رکھا ہے اور وہ اُس کے کاروبار کا جزوِ لاینفک ہے تو یہ چیز درحقیقت شرک ہے۔ جان لیجیے کہ اگر منطقی طور پر تجزیہ کریں گے تو ہر گناہ شرک بن جائے گا‘ اس لیے کہ معصیت کا دانستہ ارتکاب کر کے ایک شخص نے گویا اپنی خواہشات و جذبات اور دُنیوی مفادات کو اللہ کے احکام پر فوقیت دے دی یا انہیں اللہ کی پسند و ناپسند کے برابر لے آیا۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا کرم اور مہربانی ہے کہ جب تک گناہ ذہول‘ خطا اور نسیان کے درجے میں ہو تو اُس کو شرک قرار نہیں دیا گیا۔ لیکن میں یہ بات بتکرار و اعادہ عرض کر رہا ہوں کہ اگر کوئی غلط کام ’’کسب‘‘ کے درجے میں ہو اور فیصلے‘ شعور اور ارادے کے ساتھ کیا جا رہا ہو اور اس پر انسان مستقلاً ڈیرا جما کر بیٹھ جائے تو وہ شرک کے درجے کو پہنچ جائے گا۔ البتہ اگر اضطراری حالت درپیش ہو‘ انسان کی جان پر بنی ہو اور وہ بھوک سے مرا جا رہا ہو تو اس حالت میں انسان سؤر بھی کھا لے تو گناہ نہیں ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ ط﴾ (البقرۃ:۱۷۳) ’’پس جو مجبور ہو (بشرطیکہ) سرکشی اور حد سے تجاوز نہ ہو تو (مذکورہ بالا حرام اشیاء کھا لینے میں) اُس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔‘‘ ایسے ہی اگر جان پر بنی ہو اور سود کے علاوہ جان بچانے کا کوئی راستہ نہ ہو تو یہ بھی معاف ہے۔

اس ضمن میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۸۱ ملاحظہ کیجیے۔ ارشاد ہوا: ﴿بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَۃً ......﴾ ’’کیوں نہیں! جس نے ایک برائی بھی کمائی (کسب کیا).....‘‘ خطا‘ نسیان اور اضطرار اس میں شامل نہیں ہے‘ بلکہ یہ وہ برائی ہے جو جان بوجھ کر کمائی گئی ہو اور چاہے وہ ایک ہی کیوں نہ ہو۔ ’’سَیِّئَۃً‘‘ اسم نکرہ ہے۔ نکرہ میں تفخیم بھی ہوتی ہے کہ کوئی بڑی چیز۔ یعنی اس میں ’’صغائر‘‘ شامل نہیں ہیں‘ بلکہ صرف ’’کبائر‘‘ ہیں۔ آگے فرمایا: ﴿وَّاَحَاطَتْ بِہٖ خَطِیْٓئَتُہٗ ......﴾ ’’اور اس کا گھیرا کر لیا اس کے گناہ نے.....‘‘ اس ایک گناہ پر وہ اس طرح ڈیرا جما کر بیٹھا ہوا ہے کہ گناہ نے اُس کو اپنے گھیرے میں ایسے لے لیا ہے کہ کوئی جانب ایسی نہیں جہاں گناہ کا غلبہ نہ ہو۔ ﴿فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾﴾ (البقرۃ) ’’تو یہی لوگ جہنمی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ کے لیے رہیں گے‘‘۔ یعنی یہ وہ جہنمی نہیں ہیں جو آگ سے بالآخر نکل آئیں گے۔ یہ خلود فی النار کی سزا ہے جو کفار اور مشرکین کے لیے ہے۔

معلوم ہوا کہ ایک بڑا گناہ بھی اگر یہ شرطیں پوری کر رہا ہو کہ وہ فیصلے اور ارادے سے کیا گیا ہو اور اُس پر دوام ہوا اور اُس نے عاصی کا اس طرح احاطہ کر لیا ہو کہ کوئی جانب ایسی نہ رہی ہو جہاں گناہ کا غلبہ نہ ہو تو وہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے شرک ہے۔ البتہ اگر کسی سے خطا ہو جائے اور اُس پر اُس کو پشیمانی ہو اور احساس ہو جائے کہ اس سے غلطی ہوئی ہے اور وہ اللہ سے بخشش طلب کرے‘ اس پر ڈیرا نہ جمالے اور اسے اپنی زندگی کا مستقل جزو بنانے کا ارادہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا حساب و کتاب صاف کر دیتا ہے۔

شرکیہ اعمال کرنے والوں پر مشرک کا فتویٰ؟

اس ضمن میں ایک بہت بڑا مسئلہ یہ بھی سمجھ لیجیے کہ ہمارے ہاں بعض لوگ ایسے ہیں کہ اُن کی روحِ توحیدی جب زیادہ بیدار ہو جاتی ہیں تو وہ مشرک کا فتویٰ لگانے کے لیے بڑے بیتاب ہوتے ہیں کہ فلاں بھی مشرک اور فلاں بھی مشرک۔ یہ بہت بڑا فتنہ ہے۔ صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ ہر چیز کا تجزیہ کر کے بتا دیا جائے کہ یہ شرک ہے‘ لیکن کرنے والے کو مشرک ہرگز نہ کہا جائے۔ مثال کے طور پر دیکھئے کہ قرآن مجید نے جہاں بُت پرستوں کو مشرک قرار دیا ہے وہاں اہل کتاب کو مشرک قرار نہیں دیا۔ ان کا شرک بیان کیا ہے‘ لیکن ان کی کیٹیگری جدا رکھی ہے۔ آخری وقت تک بھی یہ دو کیٹیگریز علیحدہ علیحدہ رہی ہیں۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ فِیۡ نَارِ جَہَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ﴾ (البیّنۃ: ٦) ’’یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اہل کتاب میں سے اور مشرکین میں سے وہ جہنم کی آگ کے مستحق ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے‘‘۔ معلوم ہوا کہ مشرکین میں سے کفار اور اہل کتاب میں سے کفار یہ دو علیحدہ کیٹیگریز ہیں۔ ایک مسلمان کفارِ اہل کتاب کی لڑکیوں سے شادی کر سکتا ہے‘ لیکن کفارِ مشرکین کی لڑکیوں سے شادی نہیں کر سکتا۔ شریعت کے اندر یہ فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تو نام ہی رکھا ہے ’’مشرک‘‘۔ جبکہ اہل کتاب اگرچہ شرک میں ملوث ہیں‘ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَہُمۡ وَ رُہۡبَانَہُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ﴾ (التوبۃ: ۳۱) اور: ﴿قَالَتِ الۡیَہُوۡدُ عُزَیۡرُ ۨ ابۡنُ اللّٰہِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَی الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ اللّٰہِ ؕ﴾ (التوبۃ: ۳۰) ’’یہودیوں نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا مسیح (عیسیٰ علیہ السلام) اللہ کا بیٹا ہے‘‘۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کا شرک تو بیان کیا ہے لیکن ان کو مشرک قرار نہیں دیا۔ چنانچہ قرآن مجید سے اس انداز سے کسبِ ہدایت کرنے کی ضرورت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی بھی مسلمان جس نے مسلمان ماں کا دودھ پیا ہے اور اس کی جو ایک ذہنی ساخت بنی ہوئی ہے اور جس مٹی سے اس کا خمیر اٹھا ہے وہ جان بوجھ کر شرک نہیں کر سکتا۔ یہ سب مغالطے اور گمراہیاں ہیں‘ ناسمجھی اور غلو ہے۔ تو اِن گمراہیوں کی نفی کیجیے‘ انہیں واضح کیجیے‘ ہدایت کو عام کیجیے اور اس میں مداہنت ہرگز نہ کیجیے‘ لیکن ایسے لوگوں پر شرک کے فتوے لگا کر اُن سے اپنے آپ کو کاٹ لینا یا اُن کو خود سے کاٹ دینا‘ یہ نہ تو قرآن مجید کی روح کے مطابق ہے اور نہ ہی محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے اُسوہ کے مطابق ہے۔ شرک کو بیان کرنے میں مداہنت نہ کی جائے‘ لیکن جس شخص کے اعمال میں شرک کی آمیزش نظر آ جائے اُس پر گرامر کا قانون لاگو کرتے ہوئے اسے مشرک نہ کہہ دیا جائے۔ ایسے ہی کفر کا معاملہ ہے۔ اگر احادیث نبویؐ کی روشنی میں تجزیہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ جس نے ایک نماز بھی ترک کی اُس نے کفر کیا۔ حدیث نبویؐ ہے: ((اَلصَّلَاۃُ عِمَادُ الدِّیۡنِ)) ’’نماز دین کا ستون ہے‘‘۔ اور: ((مَنۡ تَرَکَ الصَّلَاۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدۡ کَفَرَ)) ’’جس نے جان بوجھ کر (بغیر کسی شرعی عذر کے) نماز کو ترک کر دیا وہ کفر کر چکا‘‘ اور: ((اَلۡفَرۡقُ بَیۡنَ الۡاِسۡلَامِ وَالۡکُفۡرِ الصَّلَاۃُ)) ’’کفر اور اسلام کے درمیان (کافر اور مسلم کے درمیان) فرق (حدّ فاصل) نماز ہے۔‘‘ تو کیا جس نے ایک نماز چھوڑی اسے کافر کہہ دیا جائے گا؟ اِن چیزوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جن لوگوں کے اندر جذبۂ توحید اور دینی حمیت بیدار ہو جاتی ہے میں ان کے لیے بھی ہمدردی کے ساتھ یہ بات عرض کر رہا ہوں کہ وہ اپنے خلوص اور اخلاص ہی کی وجہ سے حد سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ اس ضمن میں ضرورت اس بات کی ہے کہ شرک کو شرک ضرور کہا جائے‘ لیکن جو مسلمان ہیں اُن کے اُوپر شرک کے فتوے لگا کر اُن کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر دینا حکمتِ دین‘ حکمتِ اصلاح و دعوت اور حکمتِ تبلیغ کے خلاف ہے۔

مذکورہ بالا بحث کی وضاحت کے لیے میں ایک اور مثال دیتا ہوں۔ دیکھئے چوری ایک پیسہ کی بھی چوری ہے۔ مسجد سے کوئی تھوڑا سا سامان چرا لیا جائے تو وہ بھی چوری ہے‘ لیکن قطعِ ید کی سزا ہر چوری پر نہیں ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ کسی نے ایک روپیہ کسی کا چرا لیا تو اُس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ معاذ اللہ‘ اسلام میں ایسا ظلم نہیں ہے۔ ایسے ہی مشترک مال میں سے ایک فریق کچھ مال چرا لے تو اُس پر بھی قطعِ ید کی سزا لاگو نہیں ہوگی‘ اس لیے کہ وہ مال چرانے والا خود اس کی ملکیت میں شریک ہے۔ اسی طرح غیر محفوظ مال کی چوری پر بھی چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ چنانچہ جس چوری پر قطعِ ید کی سزا ہے فقہاءِ کرام نے اس کی پوری وضاحت سے تعریف (definition) کی ہے۔ باقی چوریوں پر تعزیر ہے کہ قانون کے تحت کسی کو قید کی سزا دے دی جائے یا کچھ کوڑے مارے جائیں۔ تو جس طرح ایک پیسہ کی چوری بھی چوری ہے‘ لیکن جس چوری پر شرعی چوری کا اطلاق ہوگا اور ہاتھ کٹے گا وہ کچھ اور شے ہے۔ اسی طرح اگر تجزیہ کریں گے تو ہر گناہ شرک ہے‘ اس میں کوئی شک نہیں ہے‘ لیکن شرک کا اطلاق ہر گناہ پر نہیں ہوگا۔ بلکہ اگر وہ کسب میں داخل ہے‘ بڑا گناہ ہے اور مستقل ہو گیا ہے تو وہ یقیناً شرک کے درجے کو پہنچ جائے گا لہٰذا اس فرق کو ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے! ہر گناہ کا ارتکاب کرنے والا مشرک نہیں ہو جائے گا۔ اور اگر کسی مسلمان کا کوئی گناہ شرک کی تمام شرائط پوری کر رہا ہے تو پھر بھی اس پر مشرک کا فتویٰ لگانے کی کیا ضرورت ہے! اللہ تبارک و تعالیٰ حساب لینے والا موجود ہے۔ بلکہ اسلامی ریاست کے اندر بھی کسی مسلمان پر مشرک کا فتویٰ نہیں لگے گا۔ اس میں بھی ’’مسلم‘‘ اور ’’کافر‘‘ دو ہی کیٹیگریز ہیں‘ تیسری کوئی کیٹیگری معین نہیں ہے۔ یہ تقسیم تو ہو سکتی ہے کہ فلاں شخص کافر ہے اور فلاں مسلم ہے‘ لیکن کسی کو مشرک قرار دے دینا‘ اس کا

فتویٰ کسی قانونِ شرعی کے اندر موجود نہیں ہے۔ ایسے ہی کسی کو منافق قرار دینا' اس کا بھی کوئی فتویٰ قانونِ شریعت میں موجود نہیں ہے۔ اس دنیا میں کسی کو ہم یہ سند بھی نہیں دے سکتے کہ وہ مؤمن ہے۔ یہ اللہ ہی جانتا ہے کہ کس کے دل میں کتنا ایمان ہے۔ ہم اس کو زیرِ بحث نہیں لا سکتے' ہم تو زیر بحث لائیں گے اسلام اور کفر کو۔ اور تکفیر بھی جان لیجیے کہ انفرادی معاملہ (individual act) نہیں ہے کہ جو شخص چاہے کھڑا ہو کر فتویٰ دے دے کہ فلاں کافر ہے' بلکہ یہ اسلامی ریاست کا کام ہے کہ وہ تکفیر کا فیصلہ کرے۔ اس کو بھی ہمارے ہاں بازیچۂ اطفال بنا لیا گیا ہے۔ لہٰذا کسی شخص کے اندر ذرا سا بھی شرک کا شائبہ نظر آ جائے تو اس کو مشرک قرار دے دینا اور اُس کے ساتھ وہ طرزِ عمل اختیار کرنا جو مشرکین کے ساتھ ہے' یہ سراسر غلو ہے۔ اس غلو نے ایسی کھینچ تان پیدا کر دی ہے کہ اب فریقین کے مابین میل جول (communication) نہیں رہا۔ طبقات بالکل جدا ہو گئے ہیں' ایک دوسرے کی بات سننے اور سمجھنے کے لیے کوئی تیار ہی نہیں۔ دیکھئے اگر ہم نے کسی معاملے میں اپنے نفس کی خواہش کو اللہ کے حکم پر مقدم رکھا تو ہم ہرگز پسند نہیں کرتے کہ کوئی ہمیں مشرک قرار دے۔ اسی طرح ہمیں چاہیے کہ اس طرح کی نرمی اور رعایت (concession) دوسروں کو بھی دیں' بلکہ اپنے سے زیادہ دیں۔

مختصر یہ کہ شرک کی مذمت لازماً کی جائے' اس میں مداہنت ہرگز نہ ہو' لیکن کسی کو مشرک قرار دے کر اُس سے قطع تعلق کر لینا' یہ بہت بڑا فتنہ ہے۔ اس سے کسی بھلائی کی کوئی امید نہیں' بلکہ نقصان ہی کا اندیشہ ہے۔

اقول قولی ھذا واستغفراللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات